یہاں کہیں اور سے آئے ہیں۔ اور ایک وقت ایسا بھی تھا کہ ان ساحلوں پر ہم بالکل نئے اور اجنبی تھے۔ امید ہے کہ جیسے جیسے ہم امریکہ کے مسلمانوں کے بارے میں مزید جان جائیں گے ہم غیر ملکیوں سے نفرت کی ایک مزید گہری لہر سے بچ سکتے ہیں۔ ان شاء اللہ (ترجمہ: مریم یونس)

[جان زوگبی، زوگبی انٹرنیشنل کے C.E.O اور صدر ہیں۔]

مسلم مہاجرت (ترکِ وطن) کے نمونے

جین آئی۔ سمتھ*

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں آج کل جو مسلمان بستے ہیں وہ بہت سی تحریکات اور شناختوں کی نمائندگی کرتے ہیں: (خواہ تارکین وطن ہوں یا مقامی باشندے، سنی ہوں یا شیعہ، قدامت پسند ہوں یا آزاد خیال، راسخ العقیدہ ہوں یا غیر مقلد)۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں مسلمانوں کی موجودہ تعداد کے درست اعداد و شمار کا تعین مشکل ہے۔ (تاہم) ان میں نصف سے زائد کا تعلق پہلی دوسری یا تیسری نسل کے مہاجر خاندانوں سے ہے۔ جب اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں جنوبی امریکہ میں کھیتوں میں کام کرنے کے لیے افریقہ سے غلام لائے گئے تھے، تو ان میں جو مسلمان غلام تھے ان میں سے بہت کم اپنی اسلامی شناخت برقرار رکھ سکے۔ اس لیے اسلام کے بیشتر علماء نے ان مسلمان تارکین وطن پر اپنی توجہ مرکوز کی جو انیسویں صدی کے نصف آخر میں مشرقِ وسطیٰ سے مغرب پہنچے۔

امریکہ کی طرف سے مسلمانوں کی یہ ہجرتیں نمایاں سلسلہ وار ادوار کی صورت میں وقوع پذیر ہوتی رہیں جنہیں لہروں یا رَووں کا نام دیا جاتا ہے۔ ہر چند کہ مؤرخین کسی بھی لہر یا رَو کی ہیئت ترکیبی پر ہمیشہ یک رائے نہیں ہوئے۔

اولین تارکین وطن جو ۱۸۷۵ء اور ۱۹۱۲ء کے درمیان امریکہ پہنچے وہ موجودہ لبنان، شام، اردن، فلسطینی اتھارٹی کے علاقے اور اسرائیل سے آئے تھے۔ اس وقت تمام علاقے تنہا شامِ عظمیٰ کے نام سے معروف تھے اور دولتِ عثمانیہ کے زیرِ حکومت تھے۔ اس علاقے سے آنے والے مہاجرین کی اکثریت مسیحی مذہب کی پیرو کار تھی۔ اگرچہ مسلمانوں کے گروہ بھی وہاں پہنچے۔ ان مہاجرین کی زیادہ تر تعداد تنہا مردوں پر مشتمل ہوتی تھی جو تلاشِ معاش میں وہاں پہنچے تھے۔ وہ وہاں اتنے طویل عرصہ تک ٹھہرنے کا ارادہ رکھتے

*Jane I. Smith, "Patterns of Muslim Immigration", /http://usinfo-state.gov./products/pubs/muslim life/immigrat.htm

تھے تاکہ بحیثیت مزدور اور تاجر کام کر کے اتنی رقم کما لیں جو وطن واپس جانے کے بعد ان کے خاندانوں کی گزران کے لیے کافی ہو۔ ان مسلمان مردوں میں کچھ ایسے تھے جو ترک فوج کی جبری بھرتی سے بھاگ کر امریکہ آ جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ انہوں نے امریکہ کے مشرق میں، مڈل ویسٹ اور ساحلِ بحرالکاہل کے ساتھ مستقلاً آباد ہونا شروع کر دیا۔

امریکی قانون اور مہاجرت کی لہریں

پہلی جنگ عظیم کے اختتام اور عثمانی سلطنت کے خاتمے کے نتیجے میں مسلم مشرق وسطیٰ سے مہاجرت کی دوسری لہر نمودار ہوئی۔ یہ مغربی نوآبادیاتی حکومتوں کا دور تھا۔ جنگ سے لبنان میں اتنی تباہی آئی تھی کہ لوگ جانیں بچانے کے لیے وہاں سے نکل بھاگے۔ مسلمانوں کی ایک واضح تعداد نے معاشی وجوہات کی بنا پر مغرب کی طرف ہجرت کر جانے کا فیصلہ کیا۔ ان میں سے بہت سے اپنے پہلے ہی سے امریکہ میں مقیم رشتہ داروں سے جا ملے اور وہیں آباد ہو گئے۔

۱۹۲۴ء میں منظور کیے گئے امریکہ کے نئے قانونِ مہاجرت نے جلد ہی ترکِ وطن کی اس دوسری لہر کو گھٹا دیا، جس کے تحت مہاجرت کی حدود کو ۱۸۹۰ میں امریکہ کی غیر ملکی پیدائش کی آبادی کی قومی اصلیت کے مطابق کر دیا گیا (۱۸۹۰ء کا یہ قانون بعد میں ۱۹۲۰ء میں تبدیل کر دیا گیا)۔ ۱۹۳۰ء کے عشرے میں اس نظام کے تحت امریکہ میں مسلمانوں کی نقل و حرکت کو انتہائی درجے تک گھٹا دیا گیا۔ اس دور میں مہاجرت ایسے لوگوں تک محدود ہو کر رہ گئی جن کے رشتہ دار پہلے ہی سے امریکہ کے شہری چلے آ رہے تھے۔ کیونکہ انہیں اس نظام کے تحت ترجیح حاصل تھی۔ امریکہ میں رہنے والے بہت سے لوگوں میں اب یہ احساس پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا کہ ان کے اپنے وطن واپسی کے خواب پورے نہ ہو سکیں گے اور یہ کہ انہیں اپنے خاندانوں کے سہارے اور کفالت کی ضرورت ہے۔

مہاجرت کا تیسرا واضح دور ۱۹۴۷ء تا ۱۹۶۰ء تک کا ہے۔ اس زمانے میں امریکہ میں وارد ہونے والے مسلمانوں کی تعداد میں پھر اضافہ ہوا۔ اب ان مہاجرین کا تعلق ایسے ممالک سے تھا جو مشرقِ وسطیٰ سے کافی پرے واقع تھے۔ ۱۹۵۳ء کے امریکی قانونِ مہاجرت و قومیت نے ہر ملک کی اصلیت کی بنا پر

مختص کوٹا فارمولا بدل ڈالا۔ چونکہ یہ قانون ۱۹۲۰ء میں امریکہ میں آبادی کی فی صد شرحوں کی بنا پر تھا۔ اس دور میں تارکین وطن مغربی یورپ سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔ پھر بھی مسلمان مشرقی یورپ (زیادہ تر یوگوسلادیہ اور البانیہ) اور سوویت یونین سے امریکہ پہنچنا شروع ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء میں برصغیر کی تقسیم کے بعد جو مسلمان امریکہ پہنچے ان کا تعلق بھارت اور پاکستان سے تھا وہ امریکہ کے دیہاتی اور شہری علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے۔ اور وہ جو اس تیسری لہر میں امریکہ پہنچے وہ شہروں کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے امریکہ کے تقریباً تمام بڑے شہروں میں اپنے گھر بنا لیے مثلاً نیویارک، شکاگو وغیرہ میں۔ ان میں بعض بیرونی ممالک میں ماضی کے اشرافیہ خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور وہ زیادہ مغرب زدہ اور اپنے پیش رووں کی نسبت زیادہ تعلیم یافتہ تھے۔ وہ اعلیٰ اور ٹیکنیکل تعلیم حاصل کرنے امریکہ پہنچے تھے۔

مسلم مہاجرت کی چوتھی اور حالیہ لہر ۱۹۵۵ء میں نمودار ہوئی۔ اس سال صدر لنڈن جانسن نے ایک ایسے قانون مہاجرت پر دستخط کیے جس نے طویل المیعاد نظامِ کوٹہ بر بنائے قومی اصلیت پر خطِ تنسیخ پھیر دیا۔ اس نئے نظام کے تحت امریکی شہریوں کے رشتہ داروں اور امریکہ کو مطلوب خاص ماہرین اور ہنرمندوں کو ترجیح دی گئی۔ یہ نیا قانون اس لحاظ سے امریکی تاریخ کا ایک منفرد قانون تھا کہ اس نے بیسویں صدی کے پہلے حصے کے بعد پہلی مرتبہ کسی مرد یا عورت کے لیے اپنی قومی اصل سے قطع نظر اس ملک میں داخلے کو ممکن بنایا تھا۔ ۱۹۶۵ء کے بعد مغربی یورپ سے تارکین وطن کی آمد حیرت انگیز طور پر کم ہوتی چلی گئی اور مشرق وسطیٰ اور ایشیا سے آنے والے تارکین وطن کی تعداد میں تدریجاً اضافہ ہوتا گیا۔ اس زمانے میں ان خطوں سے امریکہ پہنچنے والے نصف سے زائد مہاجرین مسلمان ہوا کرتے تھے۔

بیسویں صدی کے کئی آخری عشروں تک جنگ عظیم اول کے بعد کے سیاسی بحرانوں کے سبب بیشتر مسلمانوں نے اپنے معاشی حالات کی بہتری یا تعلیم کی خاطر امریکہ کو اپنی جائے سکونت کے طور پر منتخب کیا۔ لیکن ان ملکوں میں برپا ہونے والے سیاسی ہنگامے ہی ان مسلم مہاجرین کی امریکہ میں آمد کا بنیادی محرک کہے جا سکتے ہیں۔ جن اہم واقعات کی بدولت مہاجرین اور پناہ گزین اپنے لیے محفوظ جائے پناہ کی تلاش میں امریکہ پہنچے وہ ۱۹۶۷ء میں اسرائیل کے ہاتھوں عرب ریاستوں کی شکست، لبنان کی خانہ جنگی، اور اس کے بعد کے حالات تھے۔

۱۹۷۹ء میں انقلابِ ایران اور امام خمینی کے زمامِ اقتدار سنبھالنے اور پھر دس سالہ تھکا دینے والی ایران عراق جنگ نے بہت سے ایرانیوں کو مغرب کی جانب ہجرت کر جانے پر مجبور کر دیا۔ ان میں سے بیشتر امریکہ میں آ کر آباد ہو چکے ہیں۔ کیلی فورنیا میں ان کی بھاری تعداد موجود ہے۔ یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس وقت ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں دس لاکھ کے لگ بھگ ایرانی آباد ہیں۔ عراق کے کویت پر قبضہ جمانے اور خلیج کی جنگ کے وقت سے بھاری تعداد میں کرد بھی امریکہ ہجرت کر گئے۔ سیاسی حالات اور خانہ جنگی کی بدولت جو مہاجرین امریکہ پہنچے ہیں وہ صومالیہ، سوڈان اور دیگر افریقی ممالک اور افغانستان سے تعلق رکھنے والے مسلمان ہیں۔ ان میں سابق یوگوسلاویہ سے تعلق رکھنے والے مذہبی تطہیر کا شکار ہونے والے مسلمان بھی شامل ہیں۔

کئی عشروں سے برصغیر ہند و پاکستان میں مختلف النوع مناقشات وہاں کے اکثر باشندوں کے لیے مغرب کے پرامن اور پرسکون ماحول کی جستجو کا محرک بنے رہے۔ برطانیہ اور امریکہ ان کے لیے خاص طور پر زیادہ پرکشش منازلِ مقصود رہے۔ اگرچہ بیسویں صدی کے دوران پاکستانی، بھارتی اور بنگالی امریکہ میں پہنچنے والے تارکین وطن کی کل تعداد کا قلیل حصہ ہی رہے مگر پچھلے چند عشروں سے ان کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہوا اور آج کل ان کی تعداد غالباً دس لاکھ سے بھی متجاوز ہے۔ پاکستانی اور بھارتی مسلمانوں کی غالب تعداد ہنرمند اور پیشہ ور ماہرین کی ہے مثلاً ڈاکٹر انجینئر وغیرہ۔ انہوں نے امریکہ میں مسلم گروہوں کی ترقی میں اور مساجد برادریوں کی لیڈرشپ کی بنا ڈالنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آج کل امریکہ میں مسلمان بڑی بھاری تعداد میں انڈونیشیا اور ملائیشیا سے آ رہے ہیں۔ یہ مہاجرین اعلیٰ تربیت یافتہ لوگ ہیں۔ اور اکثر وہ امریکی اسلام یا امریکی مسلمانوں کی قیادت سنبھال لیتے ہیں۔

ایک مختلف الاجزا برادری

شیعہ اور سنی دونوں مسلکوں سے تعلق رکھنے والے عرب مسلمان امریکہ میں اسلامی برادری کے سرکردہ تناسب کو ترتیب دینے کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کامیاب پیشہ ور ہیں جو قومی اور نسلی سطح سے ماورا امریکی اسلام کی ترقی میں قیادت کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں مزید برآں

ترک، مشرقی یورپی اور افریقی مہاجرین مثلاً گھانا، کینیا، سینیگال، یوگنڈا، کیمرون، گنی، سیرالیون، لائبیریا، تنزانیہ وغیرہ کے باشندے اس مرکب برادری میں خاصے نمایاں دکھائی دیتے ہیں، جو امریکی مسلم امہ کی تشکیل کرتے ہیں۔ یہ مہاجر مسلمان نہ صرف مؤثر طور پر باہم تعلقات کی راہ نکال لیتے ہیں بلکہ اس سوال سے بھی نمٹ لیتے ہیں کہ وہ کس طرح مختلف امریکی افریقی مسلم تحریکات کے کارکنوں سے ربط و اتحاد قائم کریں۔

اس صدی کے اختتامی حصے کے آس پاس عربوں کے امریکہ زمانۂ ہجرت کے ابتدائی ایام میں بہت سے مسلمانوں نے کثیر الاقوام مہاجرین کی پہلی نسل کی مانند اپنے معاشی حالات کی بہتری کے مواقع حاصل کرنے کے لیے محنت مزدوری، چھوٹی موٹی تجارتوں اور کان کنی کے پیشوں میں اپنے آپ کو کھپایا۔ بہت سے عرب مسلمان خوانچہ فروش اور پھیری والے بن گئے۔ یہ ایسے کام تھے جن میں زبان کی مہارت، تربیت اور سرمایہ کی کم ہی ضرورت پڑتی تھی۔ بعض مختلف قسم کے شعبوں میں بھرتی ہو گئے مثلاً مغرب میں بڑی تیزی کے ساتھ پھیلنے والے ریل روڈ کنسٹرکشن کے کاروبار میں۔ پھر جب مسلمان عورتیں بھی امریکہ میں مسلمان مہاجروں سے آن ملیں تو انہوں نے ملوں اور فیکٹریوں میں ملازمتیں اختیار کر لیں جہاں انہیں بڑے کڑے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں طویل گھنٹوں تک محنت و مشقت کرنی پڑتی تھی۔ یہ ابتدائی سال امریکہ میں مسلمانوں کے لیے انتہائی سخت تھے۔ ان میں سے بہت سے تنہائی، غربت، انگریزی زبان سے ناواقفیت، لمبے چوڑے خاندانوں اور ہم مذہبوں کی عدم موجودگی کے سبب شدید قسم کے احساس عدم تحفظ اور مشکلات کا شکار تھے۔

پھر تدریجاً جب ان کا ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں قیام طوالت پکڑتا گیا، انہیں احساس ہوتا گیا کہ ان کا اب اپنے وطنوں کو لوٹ جانا ممکن نہیں، اس لیے انہوں نے امریکی معاشرے میں مدغم ہونا شروع کر دیا۔ وہاں انہوں نے کسی نہ کسی طرح شادیاں بھی رچالیں۔ جو نوجوان اپنے لیے مسلمان بیویاں نہ ڈھونڈ سکے انہوں نے اپنے وطن سے بیویاں بلوا لیں یا غیر مذاہب کی عورتوں سے شادیاں کر لیں۔ انہوں نے زیادہ پائیدار قسم کے کاروباروں میں مستقل روزگار کے وسائل تلاش کرنے شروع کیے یا روایتی ہنرمندیوں کے سہارے ریستوران، کافی ہاؤس، بیکریاں اور پنسار کے سٹور قائم کر لیے۔ اس طرح وہ کافی حد تک خود کفیل ہو گئے۔ انہوں نے دوسرے مسلمانوں کو تلاش کر کے ایسی برادریوں کی تشکیل کا کام

شروع کیا جن میں وہ اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم دینے کا آغاز کر سکیں۔

تاہم مسلمانوں نے امریکہ میں اپنی زندگی شاذ ہی آسان پائی۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ تارکینِ وطن کی قوم ہے۔ یعنی ''تمام نسلوں اور نسلی شناختوں کی پگھلا دینے والی کٹھالی''۔ لیکن اس کے باوجود ۱۹۶۰ء کی شہری حقوق کی تحریک سے پہلے کے دور کی نسلی منافرت یقیناً موجود رہی۔

کافی سالوں تک مسلمان مہاجرین کا رویہ یہ رہا کہ وہ اپنا نسلی و مذہبی تشخص پوشیدہ رکھتے تھے۔ اپنے نام امریکیوں جیسے رکھتے تھے۔ انہی جیسے لباس پہنتے تھے۔ قابلِ گرفت سرگرمیوں سے اجتناب برتتے تھے۔ پھر جوں جوں تارکین وطن کی برادری پھیلتی گئی وہ زیادہ متنوع، زیادہ تعلیم یافتہ اور خود شناس اور زیادہ متحرک ہوتی گئی۔ اس نے اپنے آپ کو امریکی معاشرہ کے رنگ میں رنگ لیا۔ اس سے اپنی مذہبی ثقافت کے احساس کو بحال رکھتے ہوئے امریکہ میں رہنے کی اہمیت کے بارے میں زیادہ شائستہ مباحث کا راستہ کھلا۔ ایسے مباحث کا ایک حصہ امریکہ کے دیہاتوں اور شہروں میں پھیلی ہوئی شیعہ و سنی مسلم برادریوں کی تشکیل سے اور حالیہ سالوں میں مذہبی، سیاسی، پیشہ ورانہ اور معاشرتی ہیئتوں کی نمائندگی کرنے والی قومی اسلامی تنظیموں کے سبب ظہور میں آیا ہے۔

ملک گیر پھیلاؤ

آج امریکہ میں معدودے چند جگہیں ہی ایسی ہوں گی جہاں کوئی مسلمان نہ رہتا ہو۔ یہ تقریباً ہر جگہ رہتے بستے، کام کرتے، اپنے بچوں کو سکول بھیجتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی قابل شناخت عبادت گاہیں دکھائی دیتی ہیں۔

امریکہ میں اولین مسلم برادریاں ویسٹ میں آباد تھیں۔ نارتھ ڈکوٹا میں مسلمانوں نے ۱۹۰۰ء کے ابتدائی زمانے میں اپنے آپ کو عبادات کے لیے منظم کیا۔ انڈیانا میں ۱۹۱۴ء میں اسلامی سنٹر قائم کیا گیا۔ سیڈر ریپڈز (Cedar Rapids)، آئیوو (Iowa) تو وہاں مسلمانوں کی سب سے پہلی مسجد قائم ہوئی جو تاحال زیرِ استعمال چلی آ رہی ہے۔ ڈیئربورن، مشی گن، بیرونِ ڈٹرائیٹ (Detroit) مدتِ مدید سے شرقِ اوسط کے بہت سے علاقوں سے آنے والے شیعہ و سنی مسلمانوں کے مراکز چلے آ رہے ہیں۔ ان میں

سے بہت سے مسلمان فورڈ موٹر کمپنی میں کام کے مواقع حاصل کرنے وہاں کھنچے چلے آئے تھے۔ انہوں نے وہاں اپنی برادری منظم کی۔ جس میں دوسرے مسلمان بھی شامل ہو گئے۔ مشرق وسطیٰ کے عیسائیوں کے ساتھ مل کر مشی گن کے یہ مسلمان ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں عظیم ترین عرب امریکن نو آبادی قائم کیے ہوئے ہیں!

امریکہ کے دوسرے بڑے بڑے شہر بھی مسلمان مہاجروں کے لیے نمایاں طور پر آبادکاری کے لیے موافق مقامات ثابت ہوئے ہیں۔ کوئنسی کے شپ یارڈز، میساچوسٹس، بوسٹن کے مضافاتی علاقے ۱۸۰۰ء سے مسلم تارکین وطن کے لیے روزگار کی فراہمی کے مراکز چلے آ رہے ہیں۔ نیو انگلینڈ کا حالیہ اسلامک سنٹر بیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں آ کر بسنے والے خاندانوں کے ایک چھوٹے گروہ کا خواب اب بہت بڑے مسجد کمپلیکس میں تبدیل ہو چکا ہے۔ جس میں کاروباری لوگ، ٹیچرز، تاجر، ہنرمند اور مزدور وغیرہ کام کرتے ہیں۔

تقریباً ایک صدی سے نیویارک سٹی میں اسلام موجود اور روبہ پذیر ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا یہ عظیم شہر اپنی تاریخ میں نسلی گروہوں کے لیے بھرپور تنوع کا حامل رہا ہے۔ اس کی مسلم آبادی سمندری تاجروں، سوداگروں، تفریحات مہیا کرنے والوں، سفید پوش ہنرمندوں اور بڑے بڑے کاروباروں کے مالکوں پر مشتمل ہے۔ نیویارک میں مسلمان معنوی طور پر دنیا کے ہر ملک کی قومیتوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اب نیویارک میں مساجد کی تعمیر کے کام میں بڑی تیزی پیدا ہوگئی ہے۔ قومی اسلامی تنظیموں نے اس شہر کو اپنی سرگرمیوں کے لیے نہایت زرخیز پایا ہے۔ اور ابتدائی اور اونچی سطح کے اسلامی مدرسے، مسلم ذخیرہ گاہیں اور کاروبار بڑی بھاری تعداد میں شہر میں نمودار ہو رہے ہیں۔

مسلم مہاجرین کا دوسرا اولین گھر شکاگو، الینوائی (Illinois) تھا۔ جس میں بعض دعاوی کے مطابق ۱۹۰۰ء کے ابتدائی عرصے میں دوسرے امریکی شہروں کی نسبت مسلمانوں کی بھاری تعداد آباد تھی۔ آج کل شکاگو میں جو مسلمان آباد ہیں وہ مشرقِ وسطیٰ، بھارت، وسطی و جنوبی ایشیا اور دنیا کے دوسرے حصوں سے وہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے مذہب کے پھیلاؤ میں سرگرم عمل ہیں۔ وہ مسلم برادری کے لیے ہر قسم کی مدد و تعاون کے لیے کمربستہ اور دوسری قومیتوں کے مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں سے بھی باقاعدہ رابطہ رکھتے